نَفَحَاتِ حَرَم

ارباب قلم کی علمی کاوشوں کا مبلغ

شمارہ ستمبر 2020ء

مدیرِ اعلیٰ

مولانا ابو محمد عارفین القادری

جاری کردہ

نفحاتِ حرم ای بک پبلشرز

مدیرِ اعلیٰ

مولانا ابو محمد عارفین القادری

شرفِ انتساب

امامِ اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت

امام الارض ابراہیم بن ادہم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان

رحمۃ اللہ تعالی علیہم أجمعین

اِجرائے اشاعت

ستمبر ۲۰۲۰ء مطابق محرالحرام ۱۴۴۲ھ

تحریر بھیجنے اور پی ڈی ایف شمارہ اور یونیکوڈ تحریر حاصل کرنے کے ذرائع

ای میل: arfeenjaipuri@gmail.com

واٹس اپ + ٹیلی گرام: +923333403632

فیس بوک: https://www.facebook.com/Nafhateharam

(اسلامی بہنیں ای میل اور فیس بک لنک پر میسج کرکے ایڈمن اسلامی بہن کا نمبر لے سکتی ہیں، جہاں پر تحریر بھیجی اور لی جاسکتی ہے)

جاری کردہ: نفحاتِ حرم اِی بک پبلشرز

فہرست مشمولات

(نوٹ: ادارے کا مضمون نگار کی آرا و تحقیق سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے)

صدائے نفحاتِ حرم

تحریر ظاہری طور پر ورق، الفاظ اور سیاہی کا مجموعہ ہوتی ہے جو اپنی شکل و بناوٹ کے اعتبار سے کمزور شے ہے مگر اس کی معنوی قوت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ یہ قوموں میں انقلاب برپا کر دیتی ہے، اُن کے عروج و زوال کا سبب بن جاتی ہے، قوموں کی سوچ و فکر کا زاویہ تبدیل کر دیتی ہے اس لئے اس کی بہت اہمیت ہے۔

پچھلے اَدوار میں تحاریر اخبارات، رسائل و کتب کی صورت میں شائع ہوتیں جسے باقاعدہ ہاتھ میں لیکر مطالعہ کیا جاتا اور یقیناً مطالعہ کا حقیقی لطف کتاب کو ہاتھ میں تھام کر ہی ملتا ہے مگر ہمارا زمانہ انٹرنیٹ کے عروج کا ہے جس میں تحاریر کو پڑھنے اور بھیجنے کے لئے ویب سائیٹس، پی ڈی ایف، ایپلیکیشنز جیسے برقی ذرائع استعمال ہوتے ہیں اور متعدد وجوہات ایسی ہیں جو ہمیں ان ذرائع سے جوڑے رکھتی ہیں جسے ہم چاہ کر بھی نظر انداز نہیں کرسکتے۔ فی زمانہ نوجوان نسل میں ابتداءً انٹرنیٹ کے ذریعے سے ہی فکری تبدیلی پیدا کی جاتی ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ آج کے زمانے میں جنگ ہتھیاروں سے نہیں بلکہ سوچ و فکر پر قبضہ کر کے جیتی جاتی ہے اور ہر باطل مذہب اس جنگ میں مصروف ہے جس کے لئے انٹرنیٹ ایک اہم ذریعہ ہے تو ہم کیونکر اس پلیٹ فارم کو نظر انداز کرسکتے ہیں، لہٰذا اُن کی فکری اصلاح کے لئے ضروری ہے اصحابِ حق و اربابِ قلم جو اچھا لکھتے ہیں اور مزید لکھ سکتے ہیں ان کے کام کو آگے لایا جائے تاکہ فیضِ حق کی کرنوں سے باطل کی اندھیریاں ختم ہوں۔

ہم نے نفحاتِ حرم کے نام سے ایک پلیٹ فورم ترتیب دیا ہے جس کا مقصد مستند، محقق اور محوّلہ علمی مواد انٹرنیٹ پر پھیلانا ہے جس کے فوائد کثیر ہیں، نفحاتِ حرم کے نام سے ہر ماہ ایک برقی رسالہ نکالا جائے گا جس میں اربابِ قلم کی تحریروں کو شائع کیا جائے گا، نہ صرف اس برقی رسالے میں بلکہ انٹرنیٹ کے مشہور فورمز پر اُنہیں کے نام سے شائع کیا جائے گا تاکہ اہلِ حق کی تحاریر زیادہ سے زیادہ عام ہوں۔

ہم اربابِ علم و قلم سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنی تحاریر درج ذیل شرائط کے ساتھ ہمیں ارسال کریں۔

نمبر	شرائط
1	مُحرر سنی صحیح العقیدہ ہو۔ ([1])
2	تحریر امیج کی صورت میں نہ ہو بلکہ ٹیکسٹ کی صورت میں ہو۔
3	موضوع کی کوئی قید نہیں ہے۔ دینی دنیاوی کسی بھی موضوع پر تحریر بھیجی جاسکتی ہے۔ ([2])
4	زبان کی کوئی قید نہیں ہے۔ عربی، اردو، فارسی، انگریزی کسی بھی زبان میں تحریر بھیجی جاسکتی ہے۔
5	تحریر کا معیاری ہونا ضروری ہے اور اس کی شمولیت کا فیصلہ نفحاتِ حرم بورڈ کرے گا۔ (معیاری سے مراد مواد اچھا اور بامقصد ہو، محض الفاظ کا ہیر پھیر، مترادف جملوں، پیرایوں اور دلیلوں کی تکرار نہ ہو)
6	حوالے جات مکمل ہونا ضروری ہے، کتاب کا محض نام لکھ دینا کافی نہیں ہے۔ مثلا شرح صحیح مسلم للنووی، جلد ۱۰، صفحہ ۳۲۱، کتاب السیر، دارالفکر، بیروت۔

الحمدللہ! نفحاتِ حرم نے اسلامی بہنوں کے لئے بھی یہ موقع فراہم کیا ہے کہ وہ اپنی تحاریر بھیج سکتی ہیں بلکہ ہم انہیں ترغیب دلائیں گے کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے عمدہ تحاریر لکھنے کی کوشش کریں اور امتِ مسلمہ کی فکری اصلاح کو مستحکم بنائے رکھنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

([1]) محررین کیلئے اعلی حضرت امام احمد رضاخان علیہ الرحمہ کی بیان کردہ عقائد و نظریات کی تشریحات سے متفق ہونا ضروری ہے۔

([2]) تحریر بھیجنے کے ذرائع پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

امامِ مسجد کی تنخواہ کا مسئلہ[3]

(مولانا ابو محمد عارفین القادری)

ائمہ مساجد اور دینی مدارس کے مدرسین کی تنخواہیں بقدرِ کفایت ہونی ضروری ہے مگر ائمہ مساجد کی رائج تنخواہیں کسی بھی اعتبار سے قدرِ کفایت کی تعریف پر پورا نہیں اترتی، مسجد کی زینت و آرائش پر لاکھوں روپے خرچ کر دیئے جاتے ہیں کبھی مسجد کے مال سے اور کبھی چندہ کر کے مگر ہماری قوم کو اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ ائمہ کی تنخواہوں کے بارے میں بھی سوچ بچار کریں کہ کس طرح ایک امام انتہائی قلیل تنخواہ پر گزر اوقات کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

ہم نے اپنے شہر کراچی سمیت دیگر شہروں اور علاقوں کی مساجد کے بارے میں ایک معلوماتی جائزہ لیا اور اپنے احبابِ دینی سے انکے شہروں اور علاقوں کے ائمہ کی تنخواہوں اور مراعات کے بارے میں رائج عرف دریافت کیا تو جو کچھ نتیجہ سامنے آیا وہ اس طرح ہے کہ ہمارے ملک میں ائمہ مساجد کی اوسطا تنخواہ 8 ہزار سے 12 ہزار ہوتی ہے، گاؤں دیہات کی صورتحال اس سے بھی ابتر ہے کہ امامِ مسجد کو 4، 5 ہزار تنخواہ بمشکل مل جاتی ہے اور کچھ اچھے اور مستحکم علاقوں میں تنخواہ کی شرح 16 ہزار سے 20 ہزار تک بھی معلوم ہوئی مگر ایسے علاقے تعداد میں بہت کم ہیں۔

---

(3) یہ فقیر کی غیر مطبوع تالیف "بانی مسجد اور انتظامیہ کے لئے شرعی ہدایات" کا ضمیمہ ہے، ضمیہ کا عنوان ہم نے ائمہ مساجد کے حوالے سے باندھا ہے مگر آئندہ سطور میں بیان ہونے والے احکام ائمہ مساجد تک محدود نہیں بلکہ مؤذنین، خطباء خصوصا دارالعلوم میں پڑھانے والے مدرسین اور افتاء کی ذمہ داریاں سنبھالنے والے مفتیانِ کرام وغیرہ سب کو شامل ہیں۔ (ابو محمد عارفین القادری — مدیرِ اعلی نفحاتِ حرم)

ظاہر ہے اوسطا تنخواہ جو ہمارے ہاں رائج ہے وہ اس قدر نہیں ہے کہ جس کے بل بوتے پر امام اپنا گھر بار چلا سکے ، مثلا ایک امام اور اسکی فیملی ہے جس میں ایک زوجہ دو بچے اور تنگ دست ماں باپ ہیں، گھر کے روز مرہ کے اخراجات ، کھانا پینا، بچوں کی اوسطا تعلیم اور علاج معالجہ کے اخراجات پھر شادی غمی کی تقاریب میں شرکت کے معاملات 8 ہزار سے 12 ہزار کے درمیان پورے نہیں ہوسکتے، لا محالہ ائمہ مساجد مدرسہ پکڑتے ہیں، گھروں میں جا کر قرآن پڑھاتے ہیں اور یوں نماز کے بعد اپنے فارغ اوقات کو معاشی ضروریات حل کرنے میں صرف کرتے ہیں۔

اس صورتحال میں ہم کیسے توقع کرسکتے ہیں کہ علاقائی سطح پر گلی محلوں میں ائمہ مساجد قوم کی ذہنی و فکری تربیت کا کام انجام دیں گے جبکہ وہ خود ذہنی و فکری طور پر معاشی مسائل میں گھرے ہوتے ہیں۔

حقائق کی اس مختصر داستان کے بعد ہم ائمہ مساجد کی تنخواہ پر فقہی پہلو میں کلام کرنا چاہتے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ معاشرے میں رائج ائمہ مساجد کی غیر معیاری تنخواہ کسی صورت بھی عقل اور شریعت کے مطابق نہیں ہے بلکہ فقہِ اسلامی تقاضا کرتی ہے کہ ائمہ مساجد کی تنخواہ کا معیار انکی ضرورت و حاجت کے مطابق ہونا چاہئے جس کا فقہی پیمانہ آئندہ سطور میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ہم نے اس مسئلہ میں تین استدلالات سے بحث کی ہے۔

<u>پہلا استدلالِ: امامت کے شعبے میں تنخواہ کا جواز کیوں دیا گیا؟</u>

<u>دوسرا استدلال: بقدرِ کفایت کا حکم / نصوص۔</u>

<u>تیسرا استدلال: سات اسباب جس میں واقف کی شرط کا لحاظ نہیں ہو گا۔</u>

بحث: پہلا استدلال

﴿امامت کے شعبہ میں تنخواہ کا جواز کیوں دیا گیا؟﴾

فقہ حنفی میں عبادات و طاعات پر اجارہ کرنا باطل ہے، اسی لئے امامت کی تنخواہ کے بارے میں فقہائے احناف میں سے متقدمین کی رائے عدم جواز کی ہے ان کے نزدیک امامت ہو، اذان ہو یا تعلمِ قرآن اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، جبکہ متاخرین نے یہ موقف اختیار کیا کہ امامت، اذان اور مدرس و معلم کے لئے اجرت لینا جائز ہے۔ اس حکمِ جواز کی وجہ کیا بنی، تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

- امام برہان الدین المرغینانی حنفی (م ۵۹۳ھ) لکھتے ہیں:

وبعض مشايخنا استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم؛ لأنه ظهر التواني في الأمور الدينية. ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى.[4] ہمارے بعض مشائخ نے اس زمانے میں تعلیمِ قرآن پر اجرت لینے کو مستحسن کہا ہے، کیونکہ اب امورِ دینیہ میں سستی ہو گئی ہے اور اسکو ناجائز کہنے میں قرآن مجید کو حفظ کرنا ضائع ہو جائے گا، اور فتوی اسی قول پر ہے۔

- علامہ محمد بن محمود بابرتی حنفی (م ۷۸۶ھ) لکھتے ہیں:

إنما كره المتقدمون ذلك لأنه كان للعلمين عطيات من بيت المال فكانوا مستغنين عما لا بدلهم من امر معاشهم و قد كان في الناس رغبة في التعليم بطريق الحسبة ولم يبق ذلك

---

[4] الهداية في شرح البداية ،جـ03، صـ238، دار إحياء التراث العربي، بيروت

وقال أبو عبد الله الخيزاخزي يجوز في زماننا للإمام والمؤذن والمعلم اخذ الأجرة ذكره في الذخيرة.([5]) متقدمین فقہانے تعلیم کی اجرت کو اسلئے مکروہ کہا تھا کہ معلمین کو بیت المال سے عطیات ملتے تھے، اور ان عطیات کی وجہ سے وہ اپنی معاشی ضروریات میں مستغنی تھے اور وہ لوگ محض ثواب کے لئے تعلیم دینے میں رغبت رکھتے تھے، اور اب یہ چیز باقی نہیں ہے، امام ابو عبد اللہ الخیزاخزی نے کہا کہ ہمارے زمانے میں امام، موذن اور معلم کے لئے اجرت لینا جائز ہے، اسی طرح ذخیرہ میں ہے۔

- امام علاء الدین حصکفی حنفی (م ۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں:

(ويفتى اليوم) أي يفتي المتاخرون (بالجواز) للإجارة (على ذلك) مثل (الإمامة و تعليم القرآن والفقه) تحرزا عن الندراس والاحكام تختلف بإختلاف الزمان.([6]) متاخرین نے عبادات مثلا امامت اور تعلیم قرآن وفقہ پر اجرت لینے کے جواز کا فتوی دیا ہے تاکہ احکامِ شریعہ محفوظ رہیں اور زمانہ کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں۔

- علامہ شیخ عبد الرحمن المعروف بداماد آفندی حنفی (م ۱۰۷۸ھ) لکھتے ہیں:

(ويفتى اليوم بالجواز) أي بجواز أخذ الأجرة (على الإمامة وتعليم القرآن، والفقه)، والأذان كما في عامة المعتبرات، وهذا على مذهب المتأخرين من مشايخ بلخي استحسنوا

([5]) عناية على هامش فتح القدير، جـ08، صـ40-41، مكتبة نورية رضوية، سكهر بحواله شرح صحيح مسلم، جـ07، صـ1054، فريد بک استال، لاهور

([6]) الدر المنتقى فى شرح الملتقى، جـ02، صـ384، دار إحياء التراث العربي، بيروت بحواله شرح صحيح مسلم، جـ07، صـ1059، فريد بک استال، لاهور

ذلك، وقالوا: بنى أصحابنا المتقدمون الجواب على ما شاهدوا من قلة الحفاظ ورغبة الناس فيهم، وكانت لهم عطيات من بيت المال وافتقاد من المتعلمين في مجازاة الإحسان بالإحسان من غير شرط مروءة يعينونهم على معاشهم ومعادهم، وكانوا يفتون بوجوب التعليم خوفا من ذهاب القرآن وتحريضا على التعليم حتى تنهضوا لإقامة الواجب فيكثر حفاظ القرآن، وأما اليوم فذهب ذلك كله وانقطعت العطيات من بيت المال بسبب استيلاء الظلمة واشتغل الحفاظ بمعاشهم وقلما يعلمون الحسبة ولا يتفرغون له أيضا، فإن حاجتهم يمنعهم من ذلك فلو لم يفتح باب التعليم بالأجر لذهب القرآن فأفتوا بجوازه لذلك ورأوه حسنا، وقالوا: الأحكام قد تختلف باختلاف الزمان ألا يرى أن «النساء كن تخرجن إلى الجماعات في زمانه عليه الصلاة والسلام وزمان أبي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه حتى منعهن عمر رضي الله تعالى عنه واستقر الأمر عليه» وكان ذلك هو الصواب كما في التبيين. وفي النهاية يفتي بجواز الاستئجار على تعليم الفقه أيضا في زماننا.وفي الخانية خلافه تتبع، وفي المجمع يفتي بجواز الاستئجار على التعليم، والفقه، والإمامة كذا في الذخيرة، والروضة.[7] یعنی اس زمانہ میں امامت، تعلیم قرآن، فقہ اور اذان پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے، جیسا کہ عام معتبر کتابوں میں لکھا ہوا ہے، یہ بلخ کے متاخرین مشائخ کا مذہب ہے، انہوں نے اس کو مستحسن قرار دیا اور کہا ہمارے متقدمین فقہا نے جو اس

---

[7] مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ،جـ02، صـ385،384،دار إحياء التراث العربي، بيروت

اجرت کو ناجائز کہا تھا وہ اپنے زمانے کے حالات کی وجہ سے کہا تھا کیونکہ اس وقت حفاظ کم تھے اور لوگ ان کی خدمت میں دلچسپی لیتے تھے اور اس وقت ان لوگوں کو بیت المال سے عطیات ملتے تھے اور پڑھانے والے اپنے اساتذہ کی بغیر کسی شرط کے خدمت کے کیا کرتے تھے اور ان کو معاش سے مستغنی کر دیتے تھے اور متقدمین یہ فتوی دیتے تھے کہ تعلیم دینا واجب ہے تا کہ قرآن مجید ضائع نہ ہو اور حفاظ بکثرت ہوں، لیکن اس زمانے میں یہ سب کچھ ختم ہو چکا ہے، ظالم اور فاسق حکام کے غلبہ کی وجہ سے بیت المال سے علماء اور معلمین کے عطیات منقطع ہو چکے ہیں اور حفاظ اپنی معاشی ضروریات کی وجہ سے کاروبار میں مصروف ہو گئے اور محض فی سبیل اللہ پڑھانے والے بہت کم رہ گئے ہیں اور ان کو بھی اپنی معاشی ضروریات کی وجہ سے فرصت نہیں ہے، اسلئے اگر اجرت پر تعلیم کے جواز کی اجرت نہ دی جاتی تو مسلمانوں کے سینوں سے قرآن مجید نکل جاتا، اسلئے متاخرین نے اس کے جواز کا فتوی دیا اور اس کو مستحسن قرار دیا۔ انہوں نے کہا زمانہ کے اختلاف سے احکام مختلف ہو جاتے ہیں جس طرح حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عورتیں پانچوں وقت کی نماز پڑھنے کے لئے مسجدوں میں جاتی تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کر دیا اور اب تک اسی پر عمل ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ تبیین میں ہے اور نہایہ میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں فقہ کی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے، خانیہ میں اس کے خلاف ہے۔ اور مجمع میں لکھا ہے کہ تعلیمِ فقہ اور امامت پر اجرت لینا جائز ہے، اسی طرح ذخیرہ اور روضہ میں لکھا ہے۔

- صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی حنفی (م ۱۳۶۷ھ) لکھتے ہیں:

طاعت وعبادت کے کاموں پر اجارہ کرنا جائز نہیں مثلاً اذان کہنے کے لیے امامت کے لیے قرآن وفقہ کی تعلیم کے لیے حج کے لیے یعنی اس لیے اجیر کیا کہ کسی کی طرف سے حج کرے۔ متقدمین فقہا کا یہی مسلک تھا مگر متاخرین نے دیکھا کہ دِین کے کاموں میں سستی پیدا ہو گئی ہے اگر اِس اجارہ کی سب صورتوں کو ناجائز کہا

جائے تو دِین کے بہت سے کاموں میں خلل واقع ہو گا اُنھوں نے اس کلیہ سے بعض امور کا استثنا فرمادیا اور یہ فتویٰ دیا کہ تعلیم قرآن وفقہ اور اذان وامامت پر اجارہ جائز ہے کیونکہ ایسا نہ کیا جائے تو قرآن و فقہ کے پڑھانے والے طلبِ معیشت میں مشغول ہو کر اس کام کو چھوڑ دیں گے اور لوگ دِین کی باتوں سے ناواقف ہوتے جائیں گے۔ اسی طرح اگر مؤذن وامام کو نوکر نہ رکھا جائے تو بہت سی مساجد میں اذان وجماعت کا سلسلہ بند ہو جائے گا اور اس شعار اسلامی میں زبردست کمی واقع ہو جائے گی۔([8])

فقہائے کرام کی مذکورہ تصریحات سے معلوم ہوا کہ امامت و اذان کے شعبہ میں تنخواہ کی اجازت درج ذیل وجوہات کی بنیاد پر دی گئی:

1- حکامِ مملکت کی جانب سے علماومشائخ اور امورِ طاعات کے حاملین کے لئے وظائف کا بند ہو جانا۔

2- ائمہ ومؤذنین کی معاشی ضرورت۔

3- امامت واذان کا شعبہ ویران ہو جانے کا خوف۔

4- شعارِ اسلامی کا تحفظ۔

غور طلب مقام ہے کہ ائمہ کی معاشی ضرورت کے پیشِ نظر متاخرین فقہانے امامت کی تنخواہ کا جواز فراہم کردیا اور سبب بیان کیا کہ ایسا نہ کیا جائے تو اسلامی شعبے ویران ہو جائیں گے اور شعارِ اسلامی غیر محفوظ، تو ہمارے شہروں میں ائمہ کی ناقص تنخواہیں کس بنیاد پر جائز رکھی جائیں گی؟ کیا یہ بات ہم سب پر روزِ روشن کی طرح واضح نہیں ہے کہ۔۔۔

([8]) بہارِ شریعت، ج03، ص145،146، مکتبۃ المدینہ، کراچی

(1) کم تنخواہ کی وجہ سے "دینی و دنیوی تعلیم سے آراستہ مذہبی افراد" اس اہم شعبہ کی طرف مائل نہیں ہوتے، جس کے مضر اثرات براہِ راست مسلم قوم پر پڑتے ہیں۔

(2) جو پڑھے لکھے مخلص و محنتی ائمہ اس شعبہ کو اختیار کرتے ہیں وہ خونِ جگر پی کر اپنا گزر بسر کرتے ہیں گو کہ اپنی زندگی صبر و تحمل سے گزارنے پر راضی رہیں مگر گھر بار کی معاشی ضروریات انہیں سخت قسم کے اعصابی دباؤ سے دوچار رکھتی ہے۔

(3) جو ائمہ اس شعبہ سے وابستہ ہیں ان میں سے اکثر امامت کے ساتھ معاشی ضروریات کے لئے کوشاں رہتے ہیں نہ مضبوط و وسیع مطالعہ ہو پاتا ہے، نہ اپنی تعلیم کے لئے وقت نکال پاتے ہیں نہ قوم کی اصلاح کے لئے کچھ کر پاتے ہیں، ایسے حالات میں ائمہ و خطبا کس طرح علمی و صحت مند مواد قوم کو فراہم کرسکتے ہیں؟ ظاہر ہے 12 ماہ کی تقریروں سے ہی گزارا کرنا پڑتا ہے۔

لہذا فقہائے کرام نے جس بنیاد پر امامت کو تنخواہ دار کرنے کا جوازی فتوی صادر کیا وہی بنیاد آج اس بات کی متقاضی ہے کہ امامت کی تنخواہ معیاری رکھی جائے جو کم سے کم قدرِ کفایت ہونی چاہئے اس سے کم کی کسی طرح بھی گنجائش نہیں ہے۔

بحث: دوسرا استدلال

﴿بقدرِ کفایت کا حکم / نصوص﴾

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ کتبِ فقہ میں ائمہ مساجد کی تنخواہوں کے حوالے سے "بقدرِ کفایت" کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے، قبل اس کے کہ ہم بقدرِ کفایت کی تعریف پر کلام کریں، پہلے وہ نصوص ذکر کردیتے ہیں جہاں اس کا حکم موجود ہے۔

- امام ابن نجیم زین الدین بن ابراہیم مصری حنفی (م ۹۷۰ھ) الحاوی القدسی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كالإمام للمسجد، والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم.[9] جیسے امامِ مسجد اور مدرسِ مدرسہ (آمدنی کو عمارت کے اخراجات کے بعد) ان کی طرف بقدرِ کفایت لوٹایا جائے گا۔

- اسی طرح الاشباہ والنظائر میں ہے۔[10]
- علامہ علاءالدین حصکفی حنفی (م ۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں:

ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم.[11] پھر (مسجد کی آمدنی اس پر خرچ ہو گی) جو عمارت سے قریب تر ہو جیسے مسجد کا امام اور مدرسہ کا مدرس، ان اشخاص کو بقدرِ کفایت دیا جائے گا۔

- امام ابن عابدین شامی حنفی (م ۱۲۵۲ھ) البحر الرائق کی عبارت نقل فرما کر اسے مقرر رکھتے ہیں۔[12]

پھر اسکی توضیح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[9] البحر الرائق شرح كنز الدقائق، جـ05، صـ230، دار الكتب الاسلامی

[10] الأشباه والنظائر، صـ168، دارالكتب العلمية، بيروت

[11] رد المحتار على الدر المختار، جـ04، صـ367، دار الفكر، بيروت

[12] رد المحتار على الدر المختار، جـ04، صـ367، دار الفكر، بيروت

لا يكفيه فيعطي قدر الكفاية لئلا يلزم تعطيل المسجد.([13])(اگر واقف کی طرف سے مشروط تنخواہ) امام کو کافی نہ ہوتی ہو تو اسے بقدرِ کفایت دی جائے گی تاکہ مسجد کا تعطل (غیر آباد ہونا) لازم نہ آئے۔

- صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی حنفی (م ۱۳۶۷ھ) لکھتے ہیں:

وقف سے امام کی جو کچھ تنخواہ مقرر ہے اگر وہ ناکافی ہے تو قاضی اُس میں اضافہ کر سکتا ہے۔([14])

بقدرِ کفایت کی تعریف

ہم نے ماقبل میں فقہائے کرام کی عبارات پیش کیں جن سے یہ حکم بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ ائمہ مساجد کو ان کی تنخواہیں بقدرِ کفایت دی جائیں گی۔ یہاں سوال یہ ہے کہ بقدرِ کفایت کی حد کیا ہے اور اس سے کیا مراد ہوتا ہے۔

کتبِ فقہ کا مطالعہ رکھنے والے حضرات جانتے ہیں یہ اصطلاح محض ایک باب تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ ایک عام اصطلاح ہے جو مختلف ابواب میں استعمال ہوتی ہے مثلا باب الکسب، باب النفقہ، باب الوقف، باب الفی والغنیمۃ وغیرہم اور ان سب سے مراد ایک ہی معنی ہے جو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

"بقدرِ کفایت اس مقدار کو کہتے ہیں جس کے ذریعے انسان عادتاً یعنی
عام طور پر اپنی ضرورت وحاجت کو بغیر کسی حرج و تنگی کے پورا کرتا ہو۔"

([13]) رد المحتار على الدر المختار، جـ04، صـ368، دار الفكر، بيروت

([14]) بہارِ شریعت، ج02، ص549، مکتبۃ المدینہ، کراچی

یہ تعریف صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیثِ مبارکہ سے مستفاد ہے،

- صحیح بخاری میں حدیثِ مبارکہ ان الفاظ سے ہے،

أن هند بنت عتبة، قالت: يا رسول الله إن أبا سفيان رجل شحيح وليس يعطيني ما يكفيني وولدي، إلا ما أخذت منه وهو لا يعلم، فقال: «خذي ما يكفيك وولدك، بالمعروف» ([15])یعنی حضرت ہندہ بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے حضور رحمتِ عالم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی: یارسول اللہ! ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہیں اور وہ مجھے اتنا نہیں دیتے جو مجھے اور میرے لڑکے کو کفایت کرسکے، سوائے اس (مال) کے جو میں ان سے لیتی ہوں اور انہیں معلوم نہیں ہوتا۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جتنا تمہیں اور تمہارے لڑکے کو معروف طریقے سے (یعنی عام طور پر) کفایت کرتا ہے اتنا لے لو۔

صحیح مسلم میں ان الفاظ سے ہے،

دخلت هند بنت عتبة امرأة أبي سفيان على رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالت: يا رسول الله، إن أبا سفيان رجل شحيح، لا يعطيني من النفقة ما يكفيني ويكفي بني إلا ما أخذت من ماله بغير علمه، فهل علي في ذلك من جناح؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «خذي من ماله بالمعروف ما يكفيك ويكفي بنيك» ([16])یعنی حضرت ہندہ بنت عتبہ رضی اللہ عنہا زوجہ محترمہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور

([15]) الجامع الصحيح للبخارى، جـ07، صـ65،66، حديث: 5364، دار طوق النجاة

([16]) المسند الصحيح للمسلم، جـ03، صـ1338، حديث: 1714، دار إحياء التراث العربي، بيروت

عرض گزار ہوئی، یارسول اللہ! بے شک ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہیں جو مجھے نفقہ میں سے اتنا بھی نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کو کفایت کر سکے مگر یہ ہوتا ہے کہ بغیر ان کے علم کے میں نے ان کے مال سے کچھ لیا ہو، تو کیا اس معاملے میں مجھ پر کوئی گناہ ہے؟ تو حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان کے مال میں سے معروف طریقے سے اتنا لے لو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کفایت کر سکے۔

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا کو اجازت مرحمت فرمائی تھی کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو اطلاع دیئے بغیر ان کے مال میں سے اتنی مقدار لے لی جائے([17]) جو معروف یعنی عام طور پر انہیں اور انکی اولاد کو کفایت کرے تاکہ تنگی سے بچا جاسکے اور یہی بقدرِ کفایت کا معنی ہے۔

بقدرِ کفایت کی تعریف جان لینے کے بعد انتظامیہ کو دعوتِ انصاف ہے کہ ائمہ مساجد کی رائج اوسطا تنخواہ بقدرِ کفایت کی تعریف میں داخل ہوتی ہے یا نہیں؟ سچ پوچھا جائے تو ہر گز داخل نہیں ہوتی تو پھر کیوں ائمہ کی تنخواہ قدرِ کفایت سے کم دی جاتی ہے اور زینت و آرائش پر لاکھوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں؟ چاہئے تو یہ کہ ان مخدومین کی تنخواہیں معقول اور معیاری ہوں مگر معاملہ اسکے برعکس نظر آتا ہے۔

([17]) واضح رہے کہ ابوسفیان پر ان کی بیوی بچوں کا نفقہ واجب تھا اور اس حق کو حاصل کرنے کے لئے ان کے مال سے بقدرِ کفایت حصہ لینے کی رخصت دی گئی، اور یہی حکم کتبِ فقہ میں مذکور ہے کہ جو خاوند باوجود قدرت کے اپنے بیوی بچوں کا نفقہ پورا نہیں کرتا تو اس کی جیب سے بغیر اطلاع دئے بقدرِ کفایت مال لے لینا جائز ہے، یہ چوری کے زمرے میں نہیں آتا بلکہ اپنا حق وصول کرنا ہے۔(ابو محمد عارفین القادری)

مزید یہ کہ اخبارات کے وہ کالم مطالعہ کیجئے جس میں ملازمت کے مواقع درج ہوتے ہیں، چوکیدار اور باورچی کی تنخواہیں ملاحظہ کیجئے گا اور مسجد انتظامیہ سے سوال کیجئے گا کہ ائمہ مساجد مخلوقاتِ خداوندی کے کس طبقے میں شمار ہوتے ہیں۔

بحث: تیسرا استدلال

﴿سات اسباب جس میں واقف کی شرط کا لحاظ نہیں ہوگا﴾

ہم نے پہلی فصل میں ایک باب باندھا ہے "بانی کے حقوق و اختیارات"، اس باب میں ہم نے تفصیلی کلام کیا ہے کہ واقف کی شرائط نصِ شارع ﷺ کی طرح ہے جس کا لحاظ بہر صورت رکھا جائے گا۔

- امام ابن نجیم زین الدین بن ابراہیم مصری حنفی (م ۹۷۰ھ) لکھتے ہیں:

شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي في وجوب العمل به. ([18]) واقف کی شرط کا اتباع واجب ہے فقہاء کے ارشاد کے سبب کہ واقف کی شرط شارع ﷺ کی نص کی طرح ہے یعنی نص پر عمل کی طرح واجب العمل ہے۔

- امام ابن عابدین شامی حنفی (م ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه. ([19])

واقف کی شرط شارع ﷺ کی نص کی طرح ہے تو اس کی پیروی واجب ہے۔

([18]) الاشباہ والنظائر، صـ163، دارالکتب العلمیة، بیروت

([19]) رد المحتار على الدر المختار، جـ04، صـ495، دارالفکر، بیروت

لیکن سات اسباب ایسے ہیں جس میں واقف کی شرائط کا لحاظ کرنا واجب نہیں ہے، ان میں سے ایک ائمہ مساجد کی تنخواہ کا مسئلہ ہے۔ اگر واقف شرط لگادے کہ امام کی تنخواہ صرف اتنی ہی ہوگی اور وہ اسے کفایت نہ کرتی ہو تو واقف کی اس شرط کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا بلکہ امامِ مسجد کی تنخواہ بڑھا کر بقدرِ کفایت کر دی جائے گی۔

- امام ابن عابدین شامی حنفی (م ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

السابعة: تجوز الزيادة من القاضي على معلوم الإمام، إذا كان لا يكفيه وكان عالما تقيا.[20] ساتواں سبب: قاضی کی جانب سے امام کی تنخواہ میں اضافہ جائز ہے جبکہ وہ اُسے کفایت نہ کرتی ہو اور وہ عالم متقی بھی ہو۔

اس کے بعد علامہ شامی نے آگے چل کر اس موضوع پر باقاعدہ عنوان دیکر گفتگو کی ہے۔ مطلب في زيادة القاضي في معلوم الإمام یعنی امام کی تنخواہ پر قاضی کی طرف سے اضافہ۔[21]

- علامہ شامی کی عبارت کا مفہوم صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی حنفی (م ۱۳۶۷ھ) نے اس طرح بیان کیا ہے:

وقف سے امام کی جو کچھ تنخواہ مقرر ہے اگر وہ ناکافی ہے تو قاضی اُس میں اضافہ کر سکتا ہے اور اگر اتنی تنخواہ پر دوسرا امام مل رہا ہے مگر یہ امام عالم پرہیز گار ہے اُس سے بہتر ہے جب بھی اضافہ جائز ہے اور اگر ایک امام کی تنخواہ میں اضافہ ہوا اسکے بعد دوسرا امام مقرر ہوا تو اگر امام اول کی تنخواہ کا اضافہ اُسکی ذاتی بزرگی کی وجہ سے تھا

---

[20] رد المحتار على الدر المختار، جـ04، صـ387، دارالفكر، بيروت

[21] رد المحتار على الدر المختار، جـ04، صـ436، دارالفكر، بيروت

جو دوسرے میں نہیں تو دوسرے کے لیے اضافہ جائز نہیں اور اگر وہ اضافہ کسی بزرگی و فضیلت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ضرورت وحاجت کی وجہ سے تھا تو دوسرے کے لیے بھی تنخواہ میں وہی اضافہ ہو گا یہی حکم دوسرے وظیفہ پانے والوں کا بھی ہے کہ ضرورت کی وجہ سے اُنکی تنخواہوں میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔[22]

ائمہ مساجد کی تنخواہیں دینا واجب کے درجہ میں ہے

آخر میں یہ یاددہانی بھی ضروری ہے کہ مسجد کی آمدنی کا سب سے پہلا مَصرف مسجد کی عمارت کی مرمت ہے جو فرض کے درجہ میں ہے اس کے بعد ائمہ مساجد کی تنخواہیں ہیں جو واجب کے درجہ میں ہے اس کے بعد منفعت وزینت و آرائش وسہولیات کا درجہ آتا ہے۔اس پر مفصل کلام تیسری فصل میں گزر چکا ہے۔

ہم لاکھوں روپے مسجد کے مینار و محراب بنانے اور سجانے میں خرچ کر دیتے ہیں مگر ائمہ کرام کی تنخواہیں بڑھانے پر توجہ نہیں کرتے،سچ پوچھئے تو ہم نے نیکیوں میں بھی اپنی پسند،ناپسند کو جگہ دی ہوئی ہے،حال یہ ہے کہ اپنی من پسند نیکیوں سے اللہ کو راضی کرنا چاہتے ہیں اس طرف توجہ نہیں ہوتی کہ شریعت ہم سے اِس وقت کس نیکی کا تقاضا کر رہی ہے۔

اہلِ ثروت، مخیر حضرات اور مسجد کمیٹیوں سے درخواست ہے کہ مساجد سجانا اچھا عمل ہے مگر ائمہ مساجد کی خدمت کرنا اور انہیں دینی کاموں کے لئے معاشی فکروں سے آزاد کر دینا عظیم نیکی ہے۔

واللہ تعالی الموفق.

---

[22] بہارِ شریعت،ج03،ص549، مکتبۃ المدینہ،کراچی

حق الیقین ترجمہ النور المبین[23]

(مولانا عبد الحسیب خان اختر القادری-قسط اول)

الحمد لله الذي هدانا للإيمان و علمنا القرآن و صلى الله على سيدنا محمد الداعي إلى الخير، المبعوث إلى الإنس والجان، و علىٰ آله و صحبه و من تبعهم بإحسان.

تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں جس نے ہمیں ایمان کی ہدایت اور قرآن کی تعلیم دی اور اللہ کی صلوۃ ہو ہمارے آقا محمد ﷺ پر جو خیر کے داعی ہیں، جن وانس کی جانب بھیجے گئے ہیں اور آپ کی آل واصحاب پر اور ان پر جنہوں نے بھلائی کے ساتھ اُن کی اتباع کی۔

حمد و صلوۃ کے بعد، اس کتاب میں ہم نے وہ عقائدِ دین ذکر کئے ہیں جن کا اعتقاد تمام مسلمانوں پر واجب ہے اور ان پر علومِ نقلیہ سمعیہ کی مدد سے ادلہ عقلیہ قطعیہ قائم کئے ہیں، اس کے لئے خوش کن روشنیوں سے استفادہ کیا ہے اور اس باب میں کتاب و سنت کی اتباع کی ہے اور اس امت کے سلف و صالحین کے طریقہ کی تعظیم کی ہے۔

اس کتاب کو لکھنے کے تین مقاصد ہیں، اور یہ اُسکے لئے ہیں جسے اللہ تعالی نے جلیل القدر فوائد کی توفیق دی ہے۔

---

(23) النور المبین فی قواعد عقائد الدین علمِ کلام و اصولِ عقائد پر مشتمل امام ابو القاسم محمد بن احمد جُزَی الکلبی الغرناطی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۱ھ) کی بہت عمدہ تالیف ہے، یہ کتاب ۲۰۱۵ میں دارالامام ابن عرفہ-تونس اور المرکز العربي للکتاب-متحدہ عرب امارات کی مشارکت سے شائع ہو چکی ہے جس کا اردو ترجمہ فاضل محترم مولانا عبد الحسیب خان اختر القادری حفظہ اللہ نے قلمبند فرمایا ہے۔ نفحاتِ حرم اِسے قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ (ادارہ)

مقصد اول: عقائدِ دین پر دلائل و براہین کا ذکر کرنا تاکہ پڑھنے والا ان عقائد میں تقلید سے نکل کر علم الیقین کی جانب آجائے۔

مقصد ثانی: اُن دلائل کا یا ان کے اکثر کا قرآن سے ماخوذ ہونا، اسلئے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی حجت کبریٰ اور مضبوط رسی ہے، اور اس لئے کہ یہ واضح ہو جائے کہ قرآن میں اولین و آخرین کے علوم کا بیان ہے۔

مقصد ثالث: ہم نے اُن بڑے مسائل پر اقتصار کیا ہے جن کے ساتھ شریعت آئی اور جن میں سلف نے کلام کیا، سلف کے بعد جن مسائل میں اختلاف اور جھگڑا پیدا ہوا، اُن کا حل پیش کیا ہے اور اُن امور کا بیان ترک کر دیا ہے جن کے سبب فرقوں کے درمیان مختلف اقوال کو لے کر جھگڑا پیدا ہوا تاکہ اس کتاب کے ذریعے سالک کو روشن دلائل حاصل ہو جائیں اور وہ عروۃ الوثقیٰ (مضبوط گرہ) کو پکڑ لے۔

اس کے علاوہ یہ کتاب تین قواعد اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے:

قاعدہ اولیٰ: الٰہیات کے بارے میں کلام

قاعدہ ثانی: انبیا، ملائکہ، ائمہ اور صحابہ کے بارے میں کلام

قاعدہ ثالث: دارِ آخرت کے بارے میں کلام

خاتمہ: مقصدِ کتاب کی مناسبت سے نفع بخش نصیحت

قاعدۂ اولیٰ:

الٰہیات کے بارے میں کلام اور اس میں چار فصلیں ہیں۔

الفصل الاول:

وجودِ باری تعالیٰ کے اثبات کے بارے میں اور وہی رب العلمین اور تمام مخلوق کا خالق ہے۔

جان لیجئے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ کے وجود پر دلائل اس قدر ہیں کہ ان کے عدد کو شمار نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ان کی گرد راہ کو پہنچا جاسکتا ہے کیونکہ ہر شے اس کے وجود پر دلیل ہے اور اس کی جانب لے جانے والی ہے۔

ہم اپنے کلام کی تین مسالک میں تلخیص کریں گے۔

مسلکِ اول: اُن آیات سے استدلال جو مختلف موجودات کے بارے میں وارد ہوئیں

جو آیات مخلوقات وغیرہ میں سے زمین، آسمانوں، حیوان، نبات، پہاڑوں، سمندروں، ہواؤں، بارشوں، سورج، چاند، رات اور دن کے بارے میں ہیں، وہ سب اس پر دال ہیں کہ ان سب کا کوئی صانع ہے جس نے اُنہیں بنایا اور اُن کا کوئی خالق ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس کو بیان فرمایا، ہے ارشاد باری ہے،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ (البقرة: ٢١)

ترجمہ: اے لوگوں اپنے رب کی عبادت کرو، جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ -إلى قوله- لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (البقرة: ١٦٤)

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں -الیٰ قول اللہ تعالیٰ- عقل والوں کیلئے ضرور نشانیاں ہیں۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ (الروم: ٢٠) إلى آخر الآيات الست

ترجمہ: اس کی نشانیوں میں یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ چھ آیات تک

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا (النباء:٦) -إلى قوله- وَجَنَّاتٍ أَلْفَافًا (النباء: ١٦)

ترجمہ: کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہ کیا -الیٰ قول اللہ تعالیٰ- اور گھنے باغ۔

وہ تمام آیات جو قرآن میں موجودات پر دلائل کے حوالے سے آئی ہیں وہ اس مفہوم کا فائدہ دیتی ہیں اور یہ قرآن میں کثیر مقامات پر ہے۔

اللہ تعالی آپ کو توفیق دے، اگر آپ اپنی قریب ترین شے پر غور کریں اور وہ آپ کا نفس ہے تو آپ اس میں عجیب وغریب صنعت اور تدبیر کا مشاہدہ کریں گے جو وجودِ باری تعالیٰ پر قطعی دلیل ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کثیر مقامات پر اپنی تخلیق "انسان" پر غور وفکر کی دعوت دی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ (المؤمنون: ١٢) -إلى قوله- ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ (المؤمنون: ١٥)

ترجمہ: بے شک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا، پھر اسے ایک مضبوط ٹھہراؤ میں پانی کی بوند کیا- الیٰ قول اللہ تعالیٰ- پھر اسکے بعد تم سب ضرور مرنے والے ہو۔

اور فرمایا: وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (الذاريات: ٢١)

ترجمہ: اور تمہاری جان میں، کیا تم غور وفکر نہیں کرتے۔

تو انسان کی تخلیق کی ترتیب کیسی عجیب ہے کہ اس کو پانی کے قطرے سے پیدا کیا، اس کی ہڈیاں اور اس کی رگوں کو اس طرح مرکب کیا کہ وہ دونوں مختلف ہیں، ان میں سے ہر ایک کو اس کی منفعت کے حساب سے مختص کر دیا، ہر ایک عضو کیلئے اس کی مقدار کے مطابق غذا جاری کی، اس میں مخلوق کی قُویٰ کا اختلاف رکھا، اور عقل کے ذریعے اس کو تمام بہائم سے متمیز کیا، اور وہ کیسے اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھتا ہے، کیسے دونوں کانوں سے سنتا ہے، کیسے زبان سے کلام کرتا ہے، کیسے اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑتا ہے، وغیرہ وغیرہ، انسان

کی تخلیق میں اس قدر عجائب ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں، اگر ان سب میں غور کیا جائے تو اس بات میں کوئی شک نہیں رہے گا کہ ان سب کی تدبیر کیلئے مدبر اور تخلیق کیلئے خالق کا ہونا ضروری ہے۔

پھر غور کریں تو آپ عالم میں انسان سے بھی بڑی موجودات کا مشاہدہ کریں گے جیسے کہ آسمان و زمین وغیرہ، اور ان میں اللہ تعالیٰ کی خِلقت کی عظمت اور حکمت کے ایسے عجائب ہیں کہ اوہام جن کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

اور اللہ تعالی نے اپنے فرمان میں اس مفہوم کی طرف توجہ دلائی ہے:

أَأَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا (النازعات: ٢٧)

ترجمہ: کیا تمہاری سمجھ کے مطابق تمہارا ابنانا مشکل ہے یا آسمان کا۔

اور فرمایا: وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا، مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ (النازعات: ٣٢، ٣٣)

اور پہاڑوں کو جمایا تمہارے اور تمہارے چوپاؤں کے فائدہ کیلئے۔

اور فرمایا: لَخَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (غافر: ٥٧)

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا، لوگوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے۔

پھر ہر چھوٹی بڑی چیز پر غور کریں، چاہے وہ جمادات ہو یا حی ہو، آپ کیلئے اس میں حکمت اور تدبیر کے لطائف ظاہر ہونگے، پس عالم میں سے کسی بھی شے کو دیکھیں یا سنیں، اس میں دلیل قاطع مستقل ہے جو اس کے خالق کے وجود پر دلالت کرتی ہے تو اللہ کی برہان کیسی عظیم الشان ہے اور کیا کثیر دلائل ہیں وجودِ باری تعالی پر۔

سوال کرنے والے کیلئے یہاں تین سوالات ہیں:

سوالِ اول: اگر کہا جائے کہ ان موجودات پر عدم کے بعد وجود میں آنے کی کیا دلیل ہے؟

جواب: اس پر دو وجہوں سے دلیل قائم کی گئی ہے:

وجہ اول: موجودات کی صفات کا حرکات وسکنات کے ساتھ متغیر ہونا، یہ ان امور طارئات میں سے ہے جو موجودات پر جاری ہوتے ہیں، اور یہ اُن کے متصف بالقدم ہونے کے منافی ہیں، اور عدم کے بعد وجود کے متقاضی ہیں۔

اسی کے ساتھ ابراہیم خلیل اللہ صلی اللہ علی محمد وعلیہ نے استدلال کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول کے ساتھ ذکر فرمایا:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ (الأنعام: ٧٦)

-إلى قوله- إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ (الأنعام: ٧٩)

ترجمہ: پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا، ایک تارا دیکھا، بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا تو بولے مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے -الیٰ قول اللہ تعالیٰ- میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین بنائے۔

پس جب انھوں نے ستارا، چاند اور سورج کو دیکھا کہ وہ غروب ہوگئے اور اپنے حال سے متغیر ہوگئے تو اُنہوں نے جان لیا کہ وہ پیدا کئے گئے ہیں اور اسی کے ساتھ انہوں نے یہ استدلال کیا کہ ان کا کوئی پیدا کرنے والا ہے۔

یہ واقعہ ابراہیم علیہ السلام کے بچپن میں ہوا جب وہ بالغ اور مکلف نہیں تھے، اور کہا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ تقریر اپنی قوم پر رد کیلئے کی تھی۔ (قولِ ثانی ہی صحیح ہے، مترجم)

وجہ ثانی: ہر شخص بذات خود جانتا ہے کہ وہ پہلے معدوم تھا پھر پیدا کیا گیا، اور اس کا مشاہدہ وہ اپنے غیر میں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَذْكُورًا (الإنسان: ١)

ترجمہ: کیا انسان پر ایک زمانہ ایسا نہیں گزرا کہ وہ کچھ شے نہیں تھا کہ اسے ذکر کیا جائے۔

اور ارشاد فرمایا: وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا (مریم: ۹)

ترجمہ: تحقیق میں نے تمہیں پیدا کیا، اس سے پہلے تم کچھ نہیں تھے۔

اسی طرح وہ نباتات میں مشاہدہ کرتا ہے کہ عدم کے بعد پائے گئے۔

اور فرمایا: وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ (الحج: ۵)

ترجمہ: اور تو زمین کو دیکھے مرجھائی ہوئی پھر جب ہم نے اس پر پانی اتارا، ترو تازہ ہوئی اور ابھر آئی اور ہر رونق دار جوڑا اگا لائی۔

سوالِ ثانی: اگر سوال کیا جائے کہ صناعت کی صانع کی جانب محتاج ہونے کی کیا دلیل ہے اور صانع کا اپنے آپ کو پیدا نہ کرنے پر کیا دلیل ہے؟

جواب: اس کا جواب تین وجہوں سے ہے:

وجہِ اول: کسی شے کا اپنے آپ کو پیدا کرنا مُحال ہے کیونکہ صانع کیلئے مصنوع سے مقدم ہونا واجب ہے، اور کوئی شے اپنے آپ پر مقدم نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ نے اس کے بُطلان پر اپنے اس قول کے ساتھ خبر دی ہے:

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ (الطور: ۳۵)

ترجمہ: کیا وہ کسی اصل سے نہ بنائے گئے یا وہی بنانے والے ہیں۔

اس کو آپ خود پر قیاس کریں کیونکہ جب آپ اپنے وجود سے پہلے خود کو جانتے تک نہیں تو آپ کا اپنے وجود کا صانع ہونا کیسے ممکن ہے؟ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا:

مَا أَشْهَدْتُهُمْ خَلْقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ (الكهف: ٥١)

ترجمہ: نہ میں نے آسمانوں اور زمین کے بناتے وقت انھیں سامنے بٹھالیا تھا، نہ خود ان کے بناتے وقت۔

وجہ ثانی: صناعت کی دو اقسام ہیں: ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر انسان قدرت رکھتا ہے جیسے کتاب، تعمیر کرنا وغیرہ، اور بعض پر انسان قدرت نہیں رکھتا جیسے پانی پر انسان کی تصویر بنانا اور ٹہنی سے پھل نکالنا وغیرہ۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قسم اول صانع کی محتاج ہے، کیونکہ جب آپ کتاب کو دیکھیں گے تو جان لیں گے کہ اس کا کوئی کاتب ہے، اور جب کسی گھر کو دیکھیں گے جسے تعمیر کیا گیا ہو تو جان جائیں گے کہ اس کی دیواریں اور چھت خود بہ خود نہیں بن سکتے۔

اسی طرح قسم ثانی بھی صانع پر دلالت کرتی ہے اور یہ ضروری ہے بلکہ اس کی دلالت زیادہ قوی ہے اسلئے کہ اس کو بنانا زیادہ عجیب ہے، اور اس میں حکمت کے آثار بہت ظاہر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى مِنْ فُطُورٍ، ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ (الملك: ٣، ٤)

ترجمہ: تو رحمٰن کے بنانے میں کیا فرق دیکھتا ہے تو نگاہ اٹھا کر دیکھ، تجھے کوئی رخنہ نظر آتا ہے، پھر دوبارہ نگاہ اٹھا، نظر تیری طرف ناکام پلٹ آئی گی تھکی ماندی۔

اور ارشاد فرمایا: أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا (ق: ٦)

ترجمہ: کیا انہوں نے آسمان کو نہیں دیکھا، ہم نے اس کو کیسے بنایا اور کس طرح اس کو مزین کیا۔

وجہِ ثالث: عقلی طور پر عالم کا موجود ہونا یا معدوم ہونا جائز ہے، چنانچہ عالم کا موجود ہونا اس کے وجود کو عدم پر ترجیح دینے والے پر دلالت کرتا ہے۔

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ (القصص: ٦٨)

ترجمہ: آپ کا رب جسے چاہے پیدا کرتا ہے اور وہ مختار ہے۔

سوالِ ثالث: اگر سوال کیا جائے کہ اس بات پر کیا دلیل ہے کہ موجودات کا خالق اللہ ہے؟

جواب: اُس کی مخلوقات میں سے کوئی بھی ایسی قدرت نہیں رکھتا جیسی اللہ سبحانہ وتعالیٰ رکھتا ہے، اس کا بیان یہ ہے کہ ہر موجود شے یا تو حی عاقل ہو گی جیسے انسان، یا حی غیر عاقل ہو گی جیسے حیوان، یا جماد غیر حی ہو گا جیسے آسمان، زمین، ستارے، سورج، چاند، افلاک وطبائع وغیرہ۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حی عاقل، انسان کی تصویر پانی پر بنانے کی قدرت نہیں رکھتا، نہ ہی پھلوں کو ٹہنی سے نکالنے کی قدرت رکھتا ہے اور اس کے علاوہ بھی خلق کی انواع میں سے بہت سے کام نہیں کر سکتا، تو جب حی عاقل قدرت نہیں رکھتا تو بدرجہ اولی وانسب یہی ہے کہ حی غیر عاقل بھی قدرت نہ رکھے، جب حی قدرت نہیں رکھتا تو غیر حی کا قدرت نہ رکھنا ظاہر سی بات ہے، چنانچہ ثابت ہو گیا کہ مخلوقات کا خالق ان کی جنس سے نہیں ہے، بلکہ وہ ان سے اعظم ہے اور وہ اللہ تعالی ہے۔

یہ بات معلوم ہے کہ اگر تمام خلائق جمع ہو جائیں اور مخلوقات میں سب میں چھوٹی شے پیدا کرنا چاہے جیسے کہ چیونٹی تو اس پر قادر نہیں ہونگے، جب چھوٹی شے کو پیدا کرنے سے عاجز ہیں تو بڑی سے عاجز ہونا بدرجہ اولی ظاہر ہے؛

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ (الحج: ٧٣)

ترجمہ: وہ جنہیں اللہ کے سوا تم پوجتے ہو ایک مکھی نہ بنا سکیں گے اگرچہ سب اس پر اکٹھا ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تخلیق میں کسی کے شریک نہ ہونے کو قرآن مجید کی ان آیات میں بیان فرمایا:

أَفَرَأَيْتُم مَا تُمْنُونَ، أَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ (الواقعة: ٥٨، ٥٩) -إلى قوله- فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ (الواقعة: ٧٤)

ترجمہ: تو بھلا دیکھو تو وہ منی جو گراتے ہو، کیا تم اس کا آدمی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہی-الیٰ قول اللہ تعالیٰ- تو اے محبوب تم پاکی بولو اپنے عظمت والے رب کے نام کی۔

اور ارشاد فرمایا: آللهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ، أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ (النمل: ٥٩، ٦٠) - إلى قوله- قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (النمل: ٦٤)

ترجمہ: کیا اللہ بہتر ہے یا ان کے ساختہ شریک یا وہ جس نے آسمان و زمین بنائے-الیٰ قول اللہ تعالیٰ- آپ ﷺ فرمائیے کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔

اور ارشاد فرمایا:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ (العنكبوت: ٦١)

ترجمہ: اور اگر تم ان سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین اور کام میں لگائے سورج اور چاند تو ضرور کہیں گے، اللہ نے۔

ان آیات کے علاوہ دیگر آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بیان فرمایا ہے۔

مسلکِ ثانی: انبیائے کرام کی خبروں سے استدلال

جان لیجئے، انبیائے کرام علیہم السلام نے مخلوق کو ایمان باللہ کی دعوت دی اور ان کے ہاتھ پر معجزات ظاہر ہوئے جن کی مثل پر کسی بشر کو قدرت نہیں ہوتی جیسے کہ پہاڑ سے اونٹنی کا نکالنا، عصا کا سانپ بن جانا، مردوں کو زندہ کرنا، چاند کا ٹکڑے ہو جانا، انگلیوں کے درمیان پانی کا جاری ہو جانا وغیرہ، جو اُن کے صدق پر دلالت کرتے ہیں، تو جس ایمان باللہ کی اُنہوں نے دعوت دی اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اُن کی خبروں کی تصدیق کرنا بھی واجب ہے۔

لوگوں میں سے بعض نے ان کی تصدیق کی اور بعض نے ان کو جھٹلایا۔

چنانچہ ان کو جھٹلانے والا مختلف ہلاکتوں کے ساتھ ہلاک ہوا، جن پر اللہ کے سوا کسی کو قدرت نہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُم مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا (العنكبوت: ٤٠)

ترجمہ: تو ان میں ہم نے کسی پر پتھراؤ بھیجا اور ان میں کسی کو چنگھاڑ نے آلیا اور ان میں کسی کو زمین میں دھنسا دیا اور ان میں کسی کو ڈبو دیا۔

اور انبیائے کرام اور ان کی تصدیق کرنے والوں کو نجات دی۔

جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا (یونس: ۱۰۳)

ترجمہ: پھر ہم نے رسولوں کو اور ایمان والوں کو نجات دی۔

یہ واقعات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے جو لوگوں کو بتایا وہ درست اور جس کی طرف بلایا اُس کی ربوبیت حق ہے۔ اس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں دی:

وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ (43) وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ وَكُذِّبَ مُوسَى فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ (الحج: ٤٢ - ٤٤)

ترجمہ: ان سے پہلے جھٹلا چکی ہے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود کی اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم اور مدین والے اور موسیٰ کی تکذیب ہوئی تو میں نے کافروں کو ڈھیل دی پھر انھیں پکڑا تو کیسا ہوا میرا عذاب۔

اس کے علاہ بھی دیگر پچھلی امتوں کے قصے بیان فرمائے۔

قرآن مجید میں اخبارِ انبیائے کرام میں سے جو بھی خبریں آئی ہیں، وہ اس معنی میں مفید ہیں اور یہ قرآن میں کثیر مقامات پر ہیں۔

اُن میں سے اس مسلک کی صحت پر جو چیز دلالت کرتی ہے وہ فرعون کے جادوگروں کا موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے۔

سوال: اگر سوال کیا جائے کہ انبیائے کرام کے واقعات کا علم شارع کے خبر دینے سے ہوتا ہے، تو شریعت کا انکار کرنے والے پر حجت کیسے قائم ہو گی؟

جواب: اس کا جواب دو وجہوں سے ہے:

وجہِ اول: انبیائے کرام کے معجزات اور ان کو جھٹلانے والوں کی ہلاکت شریعت سے بھی معلوم ہے اور شریعت کے علاوہ بھی معلوم ہے، کیونکہ یہ اُن بڑے امور میں سے ہے جو کسی سے بھی مخفی نہیں، اور ان کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمایا اور دیگر آسمانی کتب میں بھی ذکر فرمایا، اور ان واقعات کو اہل کتاب، حکما، مؤرخین اور شعراء وغیرہ نے بھی بطور استفادہ نقل کیا۔

اور اس کے علاوہ اُن اقوام کے آثار بھی اس کی گواہی دیتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ (الأنعام: ١١)

ترجمہ: آپ ﷺ فرمایئے کہ تم زمین میں سیر کرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

اور ارشاد فرمایا: وَعَادًا وَثَمُودَ وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِنْ مَسَاكِنِهِمْ (العنكبوت: ٣٨)

ترجمہ: اور عاد اور ثمود کو ہلاک فرمایا اور تمہیں ان کی بستیاں معلوم ہو چکی ہیں۔

اور فرمایا: وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا (الفرقان: ٤٠)

ترجمہ: اور ضرور یہ ہو آئے ہیں اس بستی پر جس پر برا برساؤ برسا تھا تو کیا ہوا یہ اسے دیکھتے نہ تھے۔

لہذا شریعت کے ماننے والے پر بھی حجت قائم ہو گئی اور انکار کرنے والے پر بھی۔

وجہ ثانی: ہم اَخبار شارع کے سچے ہونے پر قطعی دلائل قائم کریں گے، تو انبیائے کرام کی خبروں کی تصدیق واجب ہو جائے گی اور ہمارا استدلال بھی درست ہو جائے گا۔

مسلکِ ثالث: اللہ تعالی کے وجود پر فطرتِ سلیمہ شہادت دیتی ہے

اللہ کے وجود پر فکر بدیہی طور پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ ہر انسان اپنے نفس میں عبودیت کی محتاجگی پاتا ہے، اور وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ قہرِ ربوبیت کے تحت ہے، تو وہ قطعی طور پر جانتا ہے کہ اِس مملکتِ عظیمہ کیلئے ایک بادشاہِ عظیم کا ہونا ضروری ہے اور ایسی محکم تدبیر کیلئے مدبّر حکیم کا ہونا ضروری ہے۔

اللہ تعالی نے فرمایا: فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم: ٣٠)

ترجمہ: اور اپنا منہ سیدھا کرو اللہ کی اطاعت کیلئے ایک اکیلے اسی کے ہو کر اللہ کی ڈالی ہوئی بناء پر جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ [24]

ترجمہ: ہر پیدا ہونے والا فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اس معنی کی جانب اشارہ فرمایا: وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى (الأعراف: ١٧٢)

ترجمہ: اور یاد کرو جب آپ کے رب نے بنی آدم کو ان کے باپ کی پشتوں سے نکالا اور ان سے ان کے نفس پر گواہی لی کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے کہا کیوں نہیں۔

انسان کی فطرت میں جو اللہ کی معرفت رکھ دی گئی ہے، اِسی بنا پر رسولوں نے اپنی قوم کو کہا:

أَفِي الله شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (إبراهيم: ١٠)

ترجمہ: کیا اللہ میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔

اگر کوئی راحت کے وقتوں میں اس سے غافل ہے تو اسے چاہئے کہ پریشانی کے وقتوں میں اللہ کی بارگاہ میں رجوع کرے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ (الروم: ٣٣)

ترجمہ: اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی جانب رجوع کرتے ہوئے اس کو پکارتے ہیں۔

اور فرمایا: قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً (الأنعام: ٦٣)

ترجمہ: آپ ﷺ فرمایئے وہ کون ہے جو تمہیں نجات دیتا ہے، جنگل اور دریا کی آفتوں سے جسے پکارتے ہو گڑگڑا کر اور آہستہ۔

(جاری ہے)

---

[24] الجامع الصحيح للبخاري، كتاب الجنائز، رقم: ١٣٨٥، صـ٣٣٤، دار إبن كثير، بيروت

سوشل میڈیا استعمال کرنے کے اسلامی آداب

(کلمہ مولانا خالد تسنیم المدنی)

1-کسی بھی قرآنی آیت کو Confirm کیے بغیر Share نہ کریں

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ (الأنعام:٢١)

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بیشک ظالم فلاح نہ پائیں گے۔

2-اسی طرح کوئی بھی حدیث پاک دوسروں کو Send نہ کریں جب تک اس کا حدیث ہونا Confirm نہ ہو جائے

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ[25]

جو شخص میرے نام سے وہ بات بیان کرے جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔

3-ایسے ہی کسی صحابی کے قول کو Confirm کیے بغیر Share نہ کریں

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (الحجرات:٦)

---

[25] صحيح البخاري، رقم الحديث: ١٠٩

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو کہ کہیں کسی قوم کو انجانے میں تکلیف نہ دے بیٹھو پھر اپنے کئے پر شرمندہ ہونا پڑے۔

4-اگر آپ کچھ بنا چاہتے ہیں یا اپنے آپ میں مثبت تبدیلی لانا چاہتے ہیں تو پھر یہ مقصد Social Media پر Comments کرنے سے نہیں بلکہ Commandments کرنے سے پورا ہو گا

چنانچہ اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰہَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (الرعد:۱۱)

بیشک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔

5-بعض Jokes کفر پر مشتمل ہوتے ہیں بالخصوص جن میں جنت، فرشتے یا شعارِ اسلام کا مذاق اڑایا جاتا ہے (معاذ اللہ) اُن کو ہر گز ہر گز Share نہ کریں۔ کیونکہ شعارِ اسلام کے ساتھ استہزا کفر ہے

چنانچہ اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰہِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ (لقمان:٦)

اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں تاکہ بغیر سمجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں اور انہیں ہنسی مذاق بنالیں ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

اللہ تعالی ایک اور جگہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰہَ إِنَّ اللّٰہَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (المائدة:٢)

اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ شدید عذاب دینے والا ہے۔

6- آپ کو کسی حوالے سے شرعی رہنمائی چاہیے تو Internet پر خود Research کرنے کی بجائے کسی مستند عالم دین سے پوچھیں کیونکہ Internet پر اسلامی لبادہ اوڑھ کر غیر اسلامی مواد کی بھرمار ہے جس سے گمراہی کے راستے ہموار ہوتے ہیں

چنانچہ اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل:٤٣)

اے لوگو! اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَلَا يَنْبَغِي لِلْجَاهِلِ أَنْ يَّسْكتَ عَن جَهْلِهِ[26]

اور جاہل کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنی جہالت پر خاموش رہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَلَا سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ[27]

جب انہیں معلوم نہ تھا تو انہوں نے پوچھا کیوں نہیں؟ کیونکہ بیماریِ جہالت کی شفاء سوال کرنا (پوچھنا) ہے۔

7- گروپ میں اگر کوئی مستند عالمِ دین یا مفتی صاحب ہوں تو ان کا یہ منصبی فریضہ ہے کہ حسب استطاعت عوام کی شرعی راہنمائی فرمائیں اور بالخصوص غیر اسلامی Posts کی نشاندہی کر کے تردید بھی کرتے رہیں

چنانچہ اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلْتكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران: ١٠٤)

---

[26] تفسیر در منثور، جـ٥، صـ١٣٣

[27] سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ٣٣٦

اور تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری بات سے منع کریں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ[28]

تم میں سے جو برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان کے ذریعے روکے، اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو دل میں برا جانے اور یہ کمزور ایمان والا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا يَنْبَغِي لِلْعَالِمِ أَنْ يسكت عَن علمه [29]

عالم کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے علم پر خاموش رہے۔

8- گروپ میں اگر کوئی آپ سے دینی مسئلہ پوچھے، اور آپ عالم یا مفتی نہیں ہیں تو خود بخود ہرگز قیاس آرائیاں نہ کریں بلکہ کسی مستند عالم دین یا مفتی صاحب سے پوچھ کر بتائیں یا ان سے رابطہ کروا دیں

چنانچہ اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ (النحل: ١١٦)

---

(28) صحیح مسلم، رقم الحدیث: ٤٩

(29) تفسیر در منثور، جـ٥، صـ١٣٣

اور تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں اس لئے نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو، بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ ہوں گے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ [30]

جس کو بغیر علم کے فتوی دیا گیا تو اس کا گناہ فتوی دینے والے پر ہے۔

اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل: ٤٣)

اے لوگو! اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَلَا سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ [31]

جب انہیں معلوم نہ تھا تو انہوں نے پوچھا کیوں نہیں؟ کیونکہ بیماریِ جہالت کی شفاء سوال کرنا (پوچھنا) ہے۔

9- کوئی شرعی مسئلہ درپیش ہو تو سوشل میڈیا پر فقط نام کے "اسلامی گروپ" میں پوچھنے کی بجائے کسی مستند و معتمد مفتی یا عالمِ دین سے رابطہ کریں، یاد رہے یہاں پر سوشل میڈیا والے مفتی مراد نہیں ہیں

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا [32]

---

(30) سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ٣٦٥٧

(31) سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ٣٣٦

(32) صحيح البخاري، رقم الحديث: ١٠٠

اللہ علم کو اس طرح نہیں اٹھالے گا کہ اس کو بندوں سے چھین لے۔ بلکہ وہ (پختہ کار) علماء کو موت دے کر علم کو اٹھائے گا۔ حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، ان سے سوالات کیے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے جواب دیں گے۔ اس لیے خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

10- گروپ میں اگر کچھ ارسال کرنا ہے تو اچھی بات یا اچھا مواد Share کیجیے، کیونکہ وہ آپ کے لئے ثوابِ جاریہ بن جائے گا، ورنہ خاموشی کے ساتھ فقط گروپ سے استفادہ کرتے رہیں

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا، وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ[33]

جو کوئی اسلام میں اچھی بات رائج کرے تو اس کا اجر اسی کے لئے ہے اور اس کے بعد جتنے لوگ اس اچھی بات پر عمل کریں گے ان کے ثواب میں کمی کئے بغیر اس رائج کرنے والے شخص بھی ثواب ملے گا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ[34]

اور جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات زبان سے نکالے ورنہ خاموش رہے۔

---

(33) صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٠١٧

(34) صحيح البخاري، رقم الحديث: ٦٠١٨

انسان کی فطرت یہ ہے کہ جب کسی اچھے آدمی کے بارے کوئی بھی بری بات کہی جائے، خواہ وہ کتنی ہی ناقابل اعتبار ہو تو لوگ اس کا آنکھ بند کر کے یقین کر لیتے ہیں، جس کی کھلی مثال کتب احادیث میں واقعہ جریج ہے۔

11- اس لئے کوئی بھی فوٹو شاپ کی ہوئی تصویر اور مشہور شخصیات کی تصاویر لگا کر ان سے منسوب من گھڑت اقوال وبیانات Share کرنے سے اجتناب کریں

چنانچہ اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النور: ١٩)

بیشک جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کی بات پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ[35]

کسی کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے کر دے۔

12- فحاشی یا بے حیائی پر مشتمل میسیجز یا تصاویر ہرگز ارسال نہ کریں ورنہ یہ آپ کے لئے گناہ جاریہ کا سبب بن سکتا ہے یعنی جب تک ان کو دیکھ کر گناہ کیا جائے گا آپ کو بھی اس کا گناہ ملے گا

چنانچہ اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (يسين: ٦٥)

---

[35] صحيح مسلم، رقم الحديث: ٤

آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگادیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً،كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ،مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ[36]

جو کوئی اسلام میں بری بات یا برا طریقہ رائج کرے تو اس کا گناہ اسی پر ہے اور اس کے بعد جتنے لوگ اس برے طریقے پر عمل کریں گے ان کے گناہ میں کمی کئے بغیر اس رائج کرنے والے شخص بھی گناہ ہو گا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:لَعَنَ اللہُ النَّاظِرَ والْمَنْظُورَ إِلَيْهِ[37]

اللہ تعالی لعنت کرے (بلا ضرورت اجنبی عورت کو) دیکھنے والے پر اور اس عورت پر جو (بلا ضرورت اپنا آپ اجنبی مرد پر ظاہر کرتے ہوئے) دیکھی جائے۔

<u>13- بعض Short Clips بظاہر اسلامی ہوتے ہیں مگر unfortunately اس کے Background یا Intro میں Music ہوتا ہے جس کا سننا حرام ہے اور ہم لاعلمی، بے توجہی یا لاپرواہی کی وجہ سے اسے دیکھ یا سن کر Forward بھی کر دیتے ہیں اور یوں شیطان ہم سے نیکی کا جھانسا دے کر گناہ کا ارتکاب کرواتا ہے</u>

چنانچہ اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

---

(36)صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۰۱۷

(37)شعب الإيمان، رقم الحديث: ۷۳۹۹

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (الأعراف: ٣٣)

تم فرماؤ، میرے رب نے تو ظاہری باطنی بے حیائیاں اور گناہ اور ناحق زیادتی کو حرام قرار دیا ہے۔

اور اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ (لقمان: ٦)

اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں تا کہ بغیر سمجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔

اللہ تعالی ایک اور جگہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (المائدة: ٢)

اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ شدید عذاب دینے والا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيَّ أَوحُرِّمَ الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْكُوبَةُ[38]

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر شراب، جوا اور طبلہ (آلات موسیقی) کو حرام کر دیا ہے۔

14-اپنی نگاہ کی حفاظت ہر وقت لازم ہے مگر سوشل میڈیا استعمال کرتے ہوئے بہت ہی زیادہ احتیاط کی حاجت ہے۔

چنانچہ اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ (النور: ٣٠)

مسلمان مردوں کو حکم دو کہ اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں۔

---

[38] سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ٣٦٩٦

اوراللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ (غافر: ١٩)

اللہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اوراسے بھی جو سینے چھپاتے ہیں۔

اوراللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (بني إسرائيل: ٣٦)

بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:لَعَنَ اللهُ النَّاظِرَ والْمَنْظُورَ إِلَيْهِ[39]

اللہ تعالی لعنت کرے (بلا ضرورت اجنبی عورت کو) دیکھنے والے پر اوراس عورت پر جو (بلا ضرورت اپنا آپ اجنبی مرد پر ظاہر کرتے ہوئے) دیکھی جائے۔

15- کوئی بھی سنسنی خبر، تشدد سے بھرپور مناظر اور دل ہلا دینے والی انسانی أعضاء کی قطع وبرید والی تصاویر اگرچہ حقیقت پر مبنی ہو اس کو بغیر حاجت شدیدہ Share Publicly کرنے سے اجتناب کریں، کیونکہ اس سے Public میں خوف و ہراس پھیلے گا اور یہ مناظر عام Viewer پر کوئی نفسیاتی اثرات (Psychological Effects) بھی مرتب کرسکتے ہیں، البتہ متعلقہ افراد اور Local Authorities کو Send کرنے میں کوئی حرج نہیں

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا، وَلاَ تُنَفِّرُوا[40]

آسانی پیدا کرو، اور تنگی نہ کرو، خوشخبری سناؤ، اور آپس میں نفرت پیدا نہ کرو۔

---

[39] شعب الإيمان، رقم الحديث: ٧٣٩٩

[40] صحيح البخاري، رقم الحديث: ٦٩

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ آذَى مُسْلِمًا فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللهَ[41]

جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی، اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی، اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔

16- براہِ کرم Hi, Hello, Happy New Year, Good Morning, Good Night اور دیگر عمومی Messages کے ذریعے اپنا اور دیگر افراد کا وقت ضائع مت کریں، کیونکہ وقت اور فرصت بھی ایک نعمت ہے جس کے بارے پوچھا جائے گا

چنانچہ اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ (التكاثر: ٨)

پھر بیشک ضرور اس دن تم سے نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔

17- کسی کو بھی Message یا Comment کرنے سے پہلے بہت اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ کہیں میرا یہ Message یا Comment اللہ تعالی کی ناراضی کا سبب بن کر آخرت نہ برباد کردے

چنانچہ اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق: ١٨)

وہ زبان سے کوئی بات نہیں نکالتا مگر یہ کہ ایک محافظ فرشتہ اس کے پاس تیار بیٹھا ہوتا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ لَا يَرَى بِهَا بَأْسًا يَهْوِي بِهَا سَبْعِينَ خَرِيفًا فِي النَّارِ[42]

---

[41] المعجم الأوسط، رقم الحديث: ٣٦٠٧

[42] جامع الترمذي، رقم الحديث: ٢٣١٤

آدمی کبھی ایسی بات کہہ دیتاہے جس میں وہ خود کوئی حرج نہیں سمجھتا حالانکہ اس کی وجہ سے وہ ستر برس تک جہنم کی آگ میں گرتا چلا جائے گا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللهِ مَا يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ فَيَكْتُبُ اللهُ عَلَيْهِ بِهَا سَخَطَهُ إِلَى يَوْمِ يَلْقَاهُ[43]

تم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی ایسی بات کہتاہے جس کے بارے میں اسے گمان بھی نہیں ہوتا کہ اس کی وجہ سے اس کا وبال کہاں تک پہنچے گا جب کہ اللہ اس کی اس بات کی وجہ سے اس کے حق میں اس دن تک کے لیے ہے جس دن وہ اس سے ملے گا اپنی ناراضگی لکھ دیتاہے۔

18-ویسے تو سوشل میڈیا مثلِ زہریلا سانپ ہے جو ماہر سپیرا کے علاوہ کسی کے قابو میں نہیں آتا مگر خصوصًا صنف نازک،Youngstersاور Students کو اولاً استعمال ہی نہیں کرنا چاہیئے،اگر ناگزیر ہو تو فقط Educationاور Communication کے جائز مقاصد کے لیے اور وہ بھیTimeShort کے لئے اس کا استعمال کرنا چاہیے ورنہ یہ MediaSocial اپنے اصلی مقصد سے توجہ ہٹا کر تضیع اوقات اور نہ جانے کس کس چیز کا عادی بنا دیتا ہے

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[43]سنن إبن ماجة، رقم الحديث: ٣٩٦٩

مَا مِنْ يَوْمٍ طَلَعَتْ شَمْسُهُ فِيهِ إِلَّا يَقُولُ: مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَعْمَلَ فِي خَيْرٍ فَلْيَعْمَلْهُ فَإِنِّي غَيْرُ مُكَرِّرٍ عَلَيْكُمْ أَبَدًا[44]

روزانہ صبح جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس وقت دن یہ اعلان کرتا ہے کہ اگر آج کوئی اچھا کام کرنا ہے تو کر لو کہ آج کے بعد میں کبھی پلٹ کر نہیں آؤں گا۔ (شعب الإیمان رقم الحدیث 3558)

19- کسی بھی Unkown Link کو کھولنے میں احتیاط کریں کیونکہ ان میں خیر کم اور شر زیادہ ہوتا ہے جس سے آپ کا Account ہیک بھی ہو سکتا ہے

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ[45]

اس چیز کو چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالے اور اسے اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے۔

20- آپ کے ہاتھ میں موجود Device بظاہر ہلکی چیز ہے مگر اس کا غلط یا صحیح استعمال آخرت میں آپ کے نیکیوں یا برائیوں کے پلڑے کو بہت زیادہ بھاری کر سکتی ہے

چنانچہ اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ (الأعراف: ٨،٩)

---

(44) شعب الإيمان، رقم الحديث: ٣٥٥٨

(45) جامع الترمذي، رقم الحديث: ٢٥١٨

اور اس دن وزن کرنا ضرور برحق ہے تو جن کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے۔ اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیتوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

21- یہ مت سمجھیں کہ اپنا نام تبدیل کر کے یا کوئی Fake Account بنا کر غلط مواد Share کرنے سے کسی کو خبر نہیں ہو گی کہ Actual Account Holder کون ہے؟

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (آل عمران: ٢٩)

فرمادو کہ تم اپنے دل کی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ کو سب معلوم ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

فیضانِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ

(✍ مولانا ابو بنتین محمد فراز عطاری مدنی)

تعارف

آپ رضی اللہ تعالی عنہ کا نام عثمان، کنیت ابو عَمْرو اور القابات میں ذوالنورین (دو نور والے) اور جامع القرآن (قرآن پاک کو جمع کرنے والے) زیادہ مشہور ہیں۔[46]

ذوالنورین کہنے کی وجہ

اس لقب کی زیادہ مشہور وجہ یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک کے بعد دوسری شہزادی صاحبہ آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ ان شہزادیوں کے نام ہیں:[47]

حضرت سیدتنا رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت سیدنا ام کلثوم رضی اللہ عنہا

اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نور کی سرکار سے پایا دوشالہ نور کا ہو مبارک تم کو ذُوالنُّوْرَیْن جوڑا نور کا

جامع القرآن کہنے کی وجہ

امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مشورے سے مختلف جگہوں سے قرآن پاک کے تمام صحائف جمع کر لیے تھے مگر اس میں تین کام باقی تھے۔

- جمع کیے گئے صحائف کو ایک مُصْحَف میں نقل کرنا

---

(46)أسد الغابة، عثمان بن عفان

(47)تهذيب الأسماء، باب العين والثاء المثلة، جـ١، صـ٤٥٣

- پھر اس ایک مصحف کے مختلف نسخے اسلامی ممالک کے بڑے بڑے شہروں میں تقسیم کرنا
- سب کو لہجہ قریش پر پڑھنے کا حکم دینا۔

یہ تینوں کام اللہ پاک نے امیر المؤمنین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے لیے اور قرآن عظیم کا جمع کرنا وعدۂ الہیہ کے مطابق مکمل ہوا، اس لیے حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جامِعُ القرآن کہتے ہیں۔[48]

ولادت

صحیح قول کے مطابق آپ کی ولادت واقعہ فیل کے 6 سال بعد ہوئی۔[49]

فضائل

- حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اُن خوش نصیب صحابۂ کرام علیہم الرضوان میں شامل ہیں جو شروعِ اسلام میں ایمان لائے تھے۔
- حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ راہِ خدا میں ہجرت کا شرف حاصل کیا۔
- حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے۔
- حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نام اُن صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی فہرست میں شامل ہے جو رشتہ داروں کی تمام تر تکالیف سہنے کے باوجود ایمان پر ثابت قدم رہے۔
- حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سیرت میں بھی بے مثال تھے، صورت میں بھی بے مثال تھے۔

---

(48) فتاوی رضویة، جـ۲٦، صـ٤٥٢ (ملخصاً)

(49) الأصابة في تمييز الصحابة، عثمان بن عفان

- حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سخاوت میں اپنی مثال آپ تھے۔
- حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ حِلم اور صبر و شفقت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔[50]

شانِ عثمان غنی بزبان پیارے نبی ﷺ

- عثمان مجھ سے ہے اور میں عثمان سے ہوں۔[51]
- جنت میں ہر نبی کا ایک رفیق ہو گا اور میرے رفیق عثمان بن عفان ہیں۔[52]
- بروزِ قیامت عثمان کی شفاعت سے سَتّر ہزار (70000) ایسے آدمی بِلا حساب جنت میں داخل ہوں گے جن پر جَہنَّم واجب ہو چکی ہو گی۔[53]
- میری امت میں سب سے زیادہ پیکر شرم و حیا اور معزز و مکرم عثمان بن عفّان ہیں۔[54]
- میری امت میں سب سے زیادہ باحیا انسان عثمان بن عفّان ہیں۔[55]

عباداتِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ

- ہمیشہ روزہ رکھتے اور ابتدائی رات میں کچھ آرام کر کے پھر ساری رات عبادت میں بسر کرتے۔[56]

---

(50) الأصابة في تمييز الصحابة، أُسد الغابة، الرياض النضرة وغيرهم

(51) إبن عساكر، عثمان بن عفان، جـ٣٩، صـ١٠٢، رقم الحديث: ٧٨٧٨

(52) إبن عساكر، عثمان بن عفان، جـ٣٩، صـ١٠٤، رقم الحديث: ٧٨٨١

(53) مسند الفردوس، جـ١، صـ٢٥٠، رقم الحديث: ١٧٩٠

(54) إبن عساكر، عثمان بن عفان، جـ٣٩، صـ١٢٢، رقم الحديث: ٧٩١٦

(55) مستدرك، كتاب معرفة الصحابة، جـ٤، صـ٦٨٩، رقم الحديث: ٦٢٣٥

(56) مصنف إبن أبي شيبة، كتاب صلاة التطوع، جـ٢، صـ١٧٣، رقم الحديث: ٦

- جب آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو آپ کی زوجہ نے قاتلوں سے فرمایا: "تم نے اس شخص کو شہید کیا ہے، جو ساری رات عبادت کرتے اور ایک رکعت میں قرآن کریم ختم کرتے تھے۔"[57]

حضرت عثمان غنی اور اتباعِ رسول ﷺ

ایک دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسجد کے دروازے پر بیٹھ کر بکری کی دستی کا گوشت منگوایا اور کھایا اور بغیر تازہ وُضو کئے نماز ادا کی پھر فرمایا: رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی جگہ بیٹھ کر یہی کھایا تھا اور اسی طرح کیا تھا۔[58]

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک بار وُضو کرتے ہوئے مُسکرانے لگے! لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمانے لگے: میں نے ایک مرتبہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ پر وُضو فرمانے کے بعد مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔[59]

سخاوت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام علیہم الرضوان کو غزوہ تبوک کی تیاری کے لئے ترغیب ارشاد فرما رہے تھے تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر عرض کی پالان اور دیگر متعلقہ سامان سمیت 100 اونٹ میرے ذمے ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ ترغیب ارشاد فرمانے لگے تو آپ رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے اور عرض کی تمام سامان سمیت 200 اونٹ میرے ذمے ہے، تیسری مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کی سامان سمیت 300 اونٹ کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔ یہ سُن کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بہت

---

[57] الزهد للإمام أحمد، زهد عثمان بن عفان، صـ۱۵۳، رقم الحديث: ٦٧٣

[58] مسند أحمد، مسند عثمان بن عفان، جـ۱، صـ۱۳۷، رقم الحديث: ٤٤١

[59] مسند أحمد، مسند عثمان بن عفان، جـ۱، صـ۱۳۰، رقم الحديث: ٤١٥

خُوش ہوئے۔اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ کا ایک لقب "مُجَهِّزُ جَيْشِ الْعُسْرَةِ"یعنی تنگی والے لشکر کی مالی مُعاوَنت کرنے والا بھی ہے۔(60)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ علیہ اس حدیث پاک کے تحت لکھتے ہیں:"خیال رہے کہ یہ تو ان کا اعلان تھا مگر حاضر کرنے کے وقت آپ (رضی اللہ عنہ) نے950 اُونٹ، 50 گھوڑے اور 1000 اَشْرَفیاں پیش کیں،پھر بعد میں 10 ہزار اَشْرَفیاں اور پیش کیں۔آپ رضی اللہ عنہ نے پہلی بار میں ایک سو(100) کا اعلان کیا ،دوسری بار 100 اونٹ کے علاوہ اور200 کا ، تیسری بار اور 300 کا کل 600 اونٹ (پیش کرنے) کا اعلان فرمایا۔(61)

ایک موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے 35000 کا کنواں جسے بئر رومہ کہا جاتا ہے وہ خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا جس پر آپ رضی اللہ عنہ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے پانی کا جنتی چشمہ عطا کیا گیا۔(62)

شہادت

آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت 18 ذوالحجہ بروز جمعہ 35 ھجری میں ہوئی۔حضرت جبیر بن مُطْعِم رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔(63)

---

(60)ترمذي، كتاب المناقب، مناقب عثمان بن عفان، جـ٥، صـ٣٩١، رقم الحديث: ٣٧٢٠

(61)مراٰۃ المناجیح،جـ٨، صـ٣٩٥

(62)معجم كبير، بشير الأسلمي أبو بشر، جـ٢، صـ٤١

(63)أسد الغابة، عثمان بن عفان، جـ٣، صـ٦١٤ – ٦١٦ (ملخصاً)

جہاد

(✍ ربیعہ بنتِ سعید احمد)

اسلام ایسا دین ہے جو تلوار کے زور سے نہیں بلکہ حقانیت و خلقِ حسنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وسیع ہوا ہے، پر جب یہ تاریکیٔ کفر حد سے تجاوز کر گئی کہ مسلمان اپنی اولاد کو قتل ہوتا دیکھتے، خواتین کی پامالِ عزت پر صبر کرتے، اپنے جسم کی پگھلتی چربیوں سے انگارے بجھتا دیکھتے اور حسرت و آہیں بھرتے سسکیاں لئے آتے تو حضور کے انہیں سہارا دیتے دیتے اہلِ اسلام کیلئے اذنِ جہاد کی آیتِ مبارکہ نازل ہو گئی:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا (الحج: ٣٩)

یعنی انہیں اجازت دے دی گئی ہے جن سے کافر لڑتے ہیں اس بناء پر جو ان پر ظلم ہوا۔

پھر بظاہر یہی قلیل اہلِ حق تھے کہ جنہوں نے نصرتِ خدا کے سبب وہ جوہرِ جنگ دکھائے کہ بڑے بڑے پہلوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا نیز عظیم جنگجو لشکروں کو کبھی گھٹنے ٹیکنے، بیشتر ناکام ہونے اور بسا اوقات رعب و دہشتِ حق کے باعث بلا جنگ خود کو حوالے کرنے پر مجبور کر دیا۔

بحر حال دورِ حاضر کے مسلمان بھی جنگ و جہاد کے جذبہ سے سرشار اپنی کل استطاعت کے مطابق قربانیاں دینے سے دریغ نہیں کرتے البتہ صورتِ جہاد مختلف ہے نیز اِن صُوَر کو جاننے سے قبل جہاد کی تعریف و شرعی حیثیت جان لیں کہ:

اللہ کے دین کی بلندی کیلئے کفار سے جنگ میں اپنی پوری طاقت اور وسعت خرچ کرنا (جہاد ہے)۔[64]

---

[64] تبیان القرآن، ج۔۱، ص۔٧٦١

اور باعتبارِ شرع جہاد فرضِ عین کبھی فرضِ کفایہ توبسا اوقات مباح ہوتا ہے، چنانچہ؛

- جب سربراہِ مملکت یا امام المسلمین کا جنگ کیلئے طلب کرنا ہو یا لشکرِ کفار کا اسلامی شہر پر حملہ ہو تو ہر شخص (جوان، ضعیف، خواتین بچے) کا اپنے شہر کا دفاع کرنا (البتہ یہ قادر نہیں تو قریبی شہر پر فرض ہے) یا دشمن سے صف بہ صف مقابلہ کے وقت جمے رہنا (پیٹھ پھیرنا حرام ہے) ہو تو جہاد فرض ہے (یعنی ہر ایک پر کرنا لازم ہے)۔
- جبکہ کفار کے تبلیغِ دین قبول نہ کرنے اور جزیہ دینے پر بھی ناراضی ہونے پر اُن سے جنگ کرنا فرضِ کفایہ ہے (یعنی بعض کے کرلینے سے تمام بری ہوجائیں گے)۔
- پس جب دشمن قبولِ اسلام سے منکر ہو اور باہم عدِ جنگ کا معاہدہ نہ ہو یا جب مسلمانوں کو اُمیدِ فتح ہو تو جنگ کرنا مباح (یعنی کرنے پر ثواب نہ کرنے پر عتاب نہیں) ہے (ورنہ خلافِ توقعِ فلاح جنگ کو جانا خودکشی کے مترادف ہے)۔[65]

چنانچہ دورِ حاضر میں طرقِ جہاد مختلف ہیں مثلاً:

مال کہ راہِ خدا میں واجب و نفلی صدقات کے ذریعے خرچ کرنا، مساجد و مدرس تعمیر کرنا وغیرھا کہ اس بہترین مصرف کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (البقرة: ٢٦١)

---

[65] تبیان القرآن، جـ٤، صـ٦٧٤ - ٦٧٦

یعنی جو لوگ اپنا مال اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالی جیسے چاہے بڑھا کر دے اور اللہ تعالی کشادگی والا اور علم والا ہے۔

عمل کہ کسی مقامِ جبر پر بلا تکلف حق بلند کرنا، عبادات و ذِکرِ الٰہی بجالانا، حدودِ الٰہی کی حفاظت کرنا (یعنی حفاظتِ فرائض وغیرھا کرنا)، خدمتِ والدین کرنا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا (العنکبوت: ٨)

یعنی اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت کی۔

اپنی واغیار کی اصلاحِ اعمال کرنا (یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے کام لینا)

جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران: ١١٠)

تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں کہ بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔

علم کہ تقسیمِ علم بہترین تحریر، تدریس، تقریر و تبلیغ کے ذریعے کرنا کہ علم اللہ کی محبوب صفت ہے جیسا کہ حدیثِ کریمہ میں ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين.

یعنی بے شک نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالی جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اُسے دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے۔[66]

---

(66)جامع الترمذي، جـ٢، صـ٩٣

نفس کہ نفسِ امارہ (یعنی برائی کھینچنے والی انسانی قوت) کے خلاف کرنا کہ یہی جہادِ اکبر ہے نبی کریم صلی علیہ وسلم نے فرمایا: المجاهد من جاهد نفسه یعنی مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔[67]

نیز انہیں ذرائع (مال، عمل، علم، نفس) کا مقامِ جہاد میں استعمال کرنا بھی فائدے سے خالی نہیں مثلاً:

اِنفاق فی سبیل اللہ کی بہترین صورت مجاہد کو سامانِ جہاد دینا ہے کہ حدیثِ پاک ہے:

أفضل الصدقات ظل فسطاط في سبيل الله و منيحة خادم في سبيل الله أو طروق فحل في سبيل الله.

یعنی صدقات میں سے افضل (مجاہد کو) جہاد میں خیمہ کا سایہ دینا، خدمتِ غلام دینا، جوان اونٹنی دینا ہے۔[68]

یونہی بہتر عمل مجاہد کے اہل و عیال کی خبر گیری کرنا کہ حدیثِ پاک میں ہے:

و من خلف غازيا في أهله فقد غزى.

یعنی جس نے مجاہد کے گھر کی خبر گیری کی تو اس نے جہاد کیا۔[69]

اِسی طرح علم کہ گھوڑے کو حفاظت و غیرہ کیلئے تیار کرنا آداب سکھانا (یعنی ہر دور کے حساب سے آلاتِ جنگ کو مستعد رکھنا) جیسا کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

فاما الذي هي له أجر فالذي يتخذها في سبيل الله فيعدها له هي له أجر.

---

(67) جامع الترمذي، جـ١، صـ٤٢٤

(68) جامع الترمذي، جـ١، صـ٤٢٥

(69) جامع الترمذي، جـ١، صـ٤٢٥

یعنی جس نے جہاد میں گھوڑے کو سکھایا تیار کیا تو وہ بندے کیلئے اجر ہو گا۔[70]

ایسے ہی نفس کہ اپنے نفس پر بوجھ ڈالتے ہوئے اہل و عیال و نیند سے بعید سرحد کی حفاظت کرنا جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے:

رباط يوم في سبيل الله خير من الدنيا و ما عليها.

یعنی جہاد میں ایک دن کا قیام دنیا اور جو کچھ اس پر ہے اس سے بہتر ہے۔[71]

پس جہاد بالسیف (تلوار کے ساتھ جہاد کرنا) بھی یہاں قابلِ ذکر و حاملِ فضیلت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

أبواب الجنة تحت ظلال السيوف. یعنی جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں۔[72]

نیز تنبیہاً یہ کہ ان تمام کے بجالانے میں ریاکاری و شہرت سے قدرے باز رہتے ہوئے رضا الٰہی کا دامنِ رحمت ہاتھ سے نہ چھوڑنا کہ رضائے باری تعالی کے ساتھ بنی بنیاد ہی مقبول و دوامِ عمل کی ضمانت ہے۔

---

[70] جامع الترمذي، جـ١، صـ٤٢٥

[71] جامع الترمذي، جـ١، صـ٤٢٨

[72] جامع الترمذي، جـ١، صـ٤٢٩